

پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان*

مصر میں اسلامی جمہوری حکومت کا ظالمانہ قتل

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ برطانیہ جمہوریت کی ماں ہے اور امریکہ آج کا جمہوری چمکھن ہے۔ مسلمان ممالک کے سیکولر اور لیبرل عناصر اس کے بہت گن گاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقت ان چیزوں سے کوسوں دور ہے۔

مغرب کل بھی بادشاہت اور استبداد کا اسیر تھا اور آج بھی اس کے جمہوری تماشا میں دیوانہ استبداد ہی بند ہے۔ ان لوگوں کو جمہوری اور شورائی مزاج کا تب پتہ چلا جب ان کا صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ اسلام سے زیادہ کوئی جمہوریت رشورائیت کا علمبردار نہیں ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تمہارے امور شورائی کے ذریعے طے ہوں گے۔ وَ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنِهِمْ۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ، اسلامی جمہوریت کا دنیا میں بہترین نمونہ رہا ہے۔ ساری دنیا نے اسی خلافت راشدہ سے طرز حکمرانی اور نظام ہائے حکومت سیکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خلافت (اسلامی جمہوریت) کے نظام حکومت میں وہ ساری بھلائیاں رکھ دی ہیں جو دنیا کے کسی بھی نظام حکومت میں پائی جائیں اور وہ ساری برائیاں اس سے نکال باہر کی ہیں جو دنیا کے کسی بھی طرز حکمرانی میں موجود ہو سکتی ہیں۔ اسی خلافت راشدہ کے دوران سطح زمین پر وہ حکومت قائم رہی کہ آج کی اچھی سے اچھی فلاجی ریاستیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کیا دنیا میں آج کسی بھی بہترین جمہوری حکومت میں اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی اٹھ کر اپنے صدر یا وزیراعظم سے پوچھ سکے کہ حضور! آپ کے یہ اٹاٹے دن دگنی اور رات چگنی ترقی کی راہ پر کیوں گامزن ہیں؟ جبکہ خلافت راشدہ میں ایک عام آدمی حضرت عمر فاروق جیسی دہنگ شخصیت سے مجمع عام میں اُن کے ذمہ تن قیص کے بارے سوال کر رہا ہے اور خلیفہ جواب دے رہا ہے، یہ ہے اصلی جمہوری روح و روایت، لیکن صد افسوس! کہ اسلامی معاشروں میں حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد صورت حال تبدیل ہوئی اور دنیا کے سامنے وہ اسوۂ حسنہ نہ رہا جس پر چل کر انسانیت کو صحیح معنوں میں جمہوری روایات پر چلایا جاسکے۔ لیکن پھر بھی اُس عظیم خلافت کی روح اور اثرات سے دنیا مستفید ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی کیونکہ دنیا کے پاس اس

سے بہتر چیز نہ موجود تھی نہ موجود ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب و مشرق میں اسی ہی کی روح سے ریزہ چینی ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔

برطانیہ کے عظیم فلسفی جارج برنارڈ شانے علی الاعلان کہا تھا کہ مستقبل اسلام کا ہے۔ گاندھی جی نے ہندوستان کی برطانوی راج سے آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ممبران سے کہا تھا کہ میں نے نظام حکمرانی کے حوالے سے ہندو تاریخ کا مطالعہ کیا ہے لیکن وہاں کوئی ایسی حکمران شخصیت نہیں ملی جس کی مثال دے کر آپ لوگوں کو اُن کی تقلید کا کہہ سکوں اس لئے طرز حکمرانی میں سادگی اختیار کرنے کے لئے مجھے مجبوراً مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق کی مثال دینی پڑ رہی ہے جنہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے کپڑوں میں دفن کر میرے کفن کا نیا کپڑا کسی مستحق کو دیدو۔ اور جنہوں نے خطبہ خلافت میں لوگوں کو یہ حق دیا کہ "اگر میں اللہ و رسول کی راہ سے ہٹ گیا تو مجھے سیدھا کر دو۔"

نصفِ مسلمہ کی یہ تاریخ مسلمانانِ عالم کے سامنے ہے۔ وہ بھولنا بھی چاہیں یا کوئی اُن سے بھلانا بھی چاہیں تو کہیں نہ کہیں سے وہ چنگاری پھر بھڑک اُٹھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اموی ملوکیت کی خاکستر سے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسی چنگاری حعلہ جوالہ بن کر ابھرے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ میں ہر سو سال کے سرے پر کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت اپنی تاریخ کے اُن طاقتور تعلیمات و لحاظ کے سبب ابھر ہی آتی ہے جو لوگوں کو جمہوریت کا اصل چہرہ دکھانے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہے۔

برطانیہ، فرانس، اٹلی، ہالینڈ پرنگال اور امریکہ سب نے بل کر اپنے ہاں تو طرز حکمرانی کو بادشاہت سے جمہوریت میں بدل دیا لیکن مسلمان ممالک پر قبضہ کر کے وہاں یا تو پٹھو حکومتیں قائم کیں یا بادشاہت کے نظام کو تقویت دی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان استعماری قوتوں نے جاتے جاتے بھی مسلمان ممالک میں اپنے ایسے وفادار پٹھوؤں کو پیچھے چھوڑ کر پالا پوسا جو انہی کے مفادات کے لئے کام کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان ممالک کے یہ عناصر اپنے استعماری آقاؤں کی خدمت اور اس کے صلے میں ملنے والے "تمغوں" کی بدولت ہمیشہ سے ایسی شخصیتوں اور حکومتوں کے خلاف اپنے آقاؤں کے اشاروں پر انارکی و انتشار پھیلانے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں جو مسلمان معاشروں میں عوام کے فلاح و بہبود اور دنیاوی و اخروی مفاد کی خاطر اسلامی فلاحی جمہوری حکومت و معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بیسویں صدی کی اسلامی ممالک کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں انہی عناصر نے استعمار سے آزادی حاصل کرنے والی شخصیات کے خلاف استعمار سے مل کر سازشیں کیں اور اسلامی جمہوری معاشروں میں اُتھل پتھل برپا کیں۔

ایک طویل جدوجہد اور کشمکش کے بعد خلافتِ اسلامیہ کے بحال ہونے کی کوششیں جاری ہیں۔ لیکن برطانوی استعمار

نے کرنل تھامس ایڈورڈ لارنس کے ذریعے جس طرح عربوں اور ترکوں میں پھوٹ ڈلوائی اگرچہ اس میں خود ترکوں اور عربوں کی کمزوریاں شامل تھیں، خلافت عثمانیہ ختم کر ڈالی، وہ کسی بھی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے خلاف استعماری سازشیں تب ہی کامیاب ہوئی ہیں جب گھر کا بھیدی ان کے ساتھ ملا ہے۔ یہ استعماری عناصر مختلف قسم کی رشوتوں، عہدوں و مناصب کی لالچ وغیرہ کے لئے اپنے ہی گھر کو پھونک ڈالنے سے باز نہیں آتے، بقول شاعر۔

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزیہ
خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے
کوئی کافر میری تذلیل نہ کر سکتا تھا
مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلمان نے مجھے

خلافت عثمانی کی زوال کے بعد نصف صدی تک مسیحی مسلمہ پر ایسا سکوت و جمود طاری رہا کہ معاشرے کا قیام تو ایک طرف اسلامی معاشروں کی بقاء کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ لیکن الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، خاتم النبیینؐ کے صدقے اور علمائے حق کے جدوجہد کے نتیجے میں یہ قافلہ سخت جان ست رفتار ضرور رہا لیکن منزل کی طرف سفر سے رکنا نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی استعمار نے خلافت عثمانی کے خاتمے کے بعد ترکی کی سلامتی کے لئے ایک اہم شرط معاہدہ لوزان میں یہ بھی رکھی تھی کہ ترکی (مسلمان امت) دوبارہ کبھی خلافت کے احیاء و قیام کی کوشش نہیں کرے گا ورنہ ہمیں اسے بزدور ہار و ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کمال اتاترک نے یہ معاہدہ سائن کر کے مغربی استعمار کو یہ حق دلایا کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی اسلامی فلاحی ریاست خواہ جمہوری ہی کیوں نہ ہو، قائم ہو جائے اسے پنپنے کے مواقع نہ دیئے جائیں کیونکہ اس طرح انسانیت کے سامنے ایک ایسا نظام حکومت سامنے آتا ہے۔ جو انسانیت کی جان مال و آبرو کی حفاظت کی ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو بنیادی حقوق کے تحفظ کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کا تاہاں و منور چہرہ انسانیت نے اگر دیکھا تو بخدا دنیا اس نام نہاد جمہوریت جس کے پیچھے یہودی سرمایہ اور یہودی ذہن کا رفرما ہے، مڑ کر بھی نہیں دیکھے گی۔

آج دنیا میں خیر و شر کے درمیان ایک کشمکش یہ بھی جاری ہے کہ ایک طرف مسیحی مسلمہ میں یہ سنی سعید جلائی ہے کہ مسلمان معاشروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مقدمہ کے مطابق معاشروں و حکومتوں کی تشکیل ہو جائے اور دوسری طرف استعماری یہ سنی مذہب جاری ہے کہ کہیں بھی کوئی ایسی حکومت، خواہ جمہوری ہو، فلاحی ہو، بادشاہی ہو لیکن اگر اسلامی بھی ہو تو قابل قبول نہیں۔

انہی اسباب کی بناء پر الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابات میں جیت ہو یا ترکی میں طیب اردگان کی حکومت ہو۔ یا مصر میں اخوان کی انتخابات میں ۵۲ فیصد ووٹوں کے حصول اور قومی ریفرنڈم کے ذریعے منظور شدہ آئین و دستور ہو، ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاں راست ہونے اور خودداری کی

راہ پر گامزن ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ملا عمر کی حکومت کو تو ختم کرنا وہ اپنا بنیادی حق سمجھتے تھے کہ وہ بزرگ شمشیر آئے تھے۔ حالانکہ ان کے دور حکومت کے یہ دو کارنامے ہی ان کی حکومت کو جواز دینے کے لئے کافی تھے یعنی افغانی معاشرے کو اسلحے اور فشیات سے پاک کرنا اور پورے افغانستان میں امن قائم کرنا لیکن چونکہ ان کی حکومت کے شعائر کے ساتھ اسلام وابستہ تھا۔ لہذا ان سارے اچھے کاموں کے باوجود اکیس ہزار پاؤں کے ڈیزی کڑیوں سے اسے ختم کرنا ان کے نزدیک اکیسویں صدی کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

محمد سری، طیب اردگان، عباس مدنی، اور دیگر اس قسم کے حکومتوں کا شیرازہ بکیرتا تو وہ مقدس فرض سمجھتے ہیں، ان کو مسلمانوں کے ہاں ایسی حکومتیں برداشت نہیں جو صرف دنیاوی لحاظ سے قومی خود مختاری یا خودداری کی بات کریں۔ شاہ فیصل شہید، سویکارنو، ذوالفقار علی بھٹو، بن بیلہ وغیرہ کے ہاں تو اسلامی حکومت نہ تھی۔ لیکن استعمار کے سامنے سر نہ جھکانے کی وجہ سے ان کو سزا ملی۔ اس قسم کی سزا تو اذیت کا مسئلہ اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک مسلمان معاشرے کے اندر سے میر جعفر و صادق وغیرہ کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

مصر میں اخوان المسلمون نے بیسویں صدی میں مسلسل ساٹھ ستر برسوں تک عظیم قربانیوں کی داستان رقم کی ہے۔ اس عظیم تحریک نے اپنے بانی سید حسن البنا، سید قطب، عبدالقادر عودہ رحمہم اللہ جیسی تابعدار شخصیات کی قربانیاں دی ہیں۔ لہذا یہ چراغاں جاری رہے گا۔ بقول اقبالؒ۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں احرار ڈوبے احرار لکھ احرار ڈوبے احرار لکھ

طیب اردوان کے خلاف تقسیم سکوار میں استعمار کے کوچہ گردوں یا تحریر سکوار میں کسی استعمار کے پٹو اور لبرلزم اور سکولرزم کے نام پر انتشار پھیلانے والے ایک نہ ایک دن قافلہ حق کے سامنے سرگوش ہو کر رہیں گے۔ لہذا قافلہ عزیمت کے سالار اور ارکان کو پست ہمت ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس ایمان مضبوط بنانے اور رکھنے کی ضرورت ہے۔ ”پس ہمت نہ ہوں، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر مؤمن رہو گے۔“

اسلام کے جہد مسلسل میں قربانیاں دینا اور ناقابل برداشت اذیتیں سہتا اس قافلے کی قدیم ریت ہے

لیکن یہ قافلہ منزل کی سمت رواں دواں رہے گا۔

اگر عثمانیوں (مسلمانوں) پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے بحر پیدا

اب ان حالات میں کہ استعمار طاقتور ہونے کی بناء پر خونخوار بھی ہے اور اُسے مسلمانوں کے ہاں دیہاڑی

پر کام کرنے والے بھی دستیاب ہیں، اسلامی قاتلوں کے سالاروں کو بہت گھر سے غور و فکر اور تدبیر کی ضرورت ہے۔

اسلامی تحریک کے رخصتاؤں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ترجیحات کا تعین کرنا بھی ضروری ہوگا۔ رخصتا کا ایک اہم

فریضہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے قلمس کار کناں کو ناگزیر حالات کے لئے محفوظ اور تازہ دم رکھنے کی سبیل بھی کرے۔ میری ناقص رائے میں محمد مری صاحب کے اخلاص میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن صرف اکیاون یا ہاون فیصد ووٹوں کے ساتھ انچاس فیصد سیکولر لیبرل مخالف عناصر وہ بھی ارض فراغہ کے ہاسیوں سے بے غم سا ہو کر آگے بڑھنا کچھ زیادہ بصیرت افروز نہ تھا۔

ارض مصر جہاں تاریخ میں ہمیشہ فرعون جیسی استبدادی و استعماری حکومتیں رہی ہیں، اچانک جمہوریت اور وہ بھی اسلامی جمہوریت کا آنا، استعمار اور اُن کے پنڈوؤں کو ٹھنڈے پنڈوں کیسے اتنی آسانی کے ساتھ ہضم ہو سکتا تھا۔ عزیمت کی رو سے محمد مری نے کمال کر کے دکھایا لیکن تدبیر، حکمت، اور عالمی حالات کے پیش نظر شاید ترجیحات میں کمی بیشی بھی ان حالات کا پیش خیمہ ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ امت مسلمہ اور قافلہ سخت جاں پر رحمت فرمائے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۱۹ سے) عہد طالب علمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور کہا کہ جس نے غور و فکر کے ساتھ تفسیر کشاف اور ابن کثیر مطالعہ کیا تو وہ سب سے زیادہ قرآن کا جاننے والا ہوگا۔ یہ مجلس انتہائی مفید اور علمی لطائف سے لبریز تھی۔ ظہر کے بعد زیارت کے قریب موضع ”میلہ“ بھی جانا ہوا۔

والدہ ماجدہ کا نظام العلماء کے اجلاس کے لئے سفر لاہور:

۲۲ جون: والدہ ماجدہ آج مولانا احمد علی لاہوری مدظلہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے جہاں وہ نظام العلماء کے مجلس شوریٰ میں شرکت کریں گے۔

۲۳ جون: برادر دم مولانا حبیب اللہ کی شادی خانہ آبادی پر مبارکباد دینے کے لئے موضع خٹکی چارسدہ جانا ہوا۔ موصوف کی شادی شوال میں ہوئی۔

اخبار بانگ حرم میں اجمل خٹک اور پروفیسر محمد سرور سے ملاقات:

۲۴ جون: خٹکی سے براستہ پشاور واپسی کی۔ پشاور میں روزنامہ ”بانگ حرم“ کے دفتر میں اجمل خٹک سے ملا اور وہیں پروفیسر محمد سرور سندھی مدبر روزنامہ سے بھی ملاقات رہی۔ تقریباً دو گھنٹوں تک مختلف امور پر بحث و گفتگو ہوئی۔ موصوف علماء کے افتراق اور بد نظمی پر نہایت متاسف تھے۔ انکا خیال ہے کہ علماء عصری ضروریات سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ جس کا ان کو احساس تک نہیں۔ ظہر کے بعد واپسی ہوئی۔